ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مسلم اقتدار کے زوال کی تاریخ اور امت مسلمہ کی اخلاقی و فکری پستی: ایک تجزیاتی مطالعہ

THE HISTORY OF MUSLIM DECLINE AND THE MORAL AND INTELLECTUAL DECADENCE OF THE UMMAH:AN ANALYTICAL STUDY

Abdul Qayyum
Senior Head Master GHS Mir Hazar Khan Tehsil Jatoi District Muzaffar Garh Punjab
abdulqayyum7383@gmail.com
Asif iqbal Laghari
Teaching Assistant Department of Muslim History University of Sindh Jamshoro
iqbalasif155@yahoo.com
Dr.Sanaullah Rana Al.azhari
Postdoc Fellow Associate Professor Department of Islamic Studies Bahria University Islamabad
sanaullah.buic@bahria.edu.pk

Abstract

Throughout Islamic history, the Muslim Ummah held the reins of global intellectual, cultural, and political leadership for centuries, excelling in civilization, knowledge, economy, and military strength. During the Abbasid, Andalusian, Ottoman, and Mughal eras, the patronage of learning, the dynamism of ijtihād, and the preservation of moral values elevated the Muslim world to its golden age. However, over time, a combination of internal and external factors turned this glory into decline. Internally, religious and moral weaknesses, lack of capable leadership, suspension of ijtihād, dominance of blind imitation, sectarianism, intellectual stagnation, and social inequalities undermined the foundations of the Ummah. Externally, the Crusades, Mongol invasions, colonial conspiracies, the influence of Western civilization and philosophy, and severe economic and military defeats further deepened the crisis.This study critically analyzes how the intellectual and spiritual leadership of the Muslim Ummah gradually diminished, leading to moral and spiritual decay and pushing the community into a state of decline. It also explores the present condition of the Muslim world, where political instability, social crises, educational backwardness, and moral decay persist. Yet, it highlights rays of hope in the form of awakening movements, educational and intellectual organizations, Islamic banking, institutions like the OIC, and the emerging role of youth and women in shaping a renewed Muslim identity.The findings emphasize that the true remedy for this decline lies in reviving intellectual and scholarly creativity, reopening the doors of ijtihād, adhering to ethical values, embracing scientific and educational advancement, and restoring spiritual attachment as the core of collective life. Only through these measures can the Muslim Ummah achieve a new renaissance and reclaim its lost legacy while effectively confronting contemporary global challenges.

Keywords: Andalusian,Ottoman, Taqlīd,Sectarianism, Western Philosophy Intellectual Stagnation, Moral Decay, Islamic Renaissance,

تاریخِ اسلام میں امت مسلمہ نے ایک طویل عرصے تک دنیا کی تہذیبی و علمی قیادت سنبھالی اور سیاسی، فکری، تمدنی، اقتصادی اور عسکری سطح پر وہ ترقی کی جس نے مشرق و مغرب دونوں کو متاثر کیا۔ خلافتِ عباسیہ، اندلس، عثمانیہ اور مغلیہ ادوار میں علم و فنون کی سرپرستی، اجتہاد کی آزادی اور اخلاقی اقدار کی پاسداری امت کو اس کے عروج پر لے گئی۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ داخلی و خارجی عوامل نے اس عظمت کو زوال میں بدل دیا۔ داخلی طور پر دینی و اخلاقی کمزوریاں، قیادت کی نااہلی، اجتہاد کا تعطل، تقلید پرستی، فرقہ واریت، علمی جمود اور سماجی ناہمواری نے امت کی بنیادوں کو کمزور کر دیا۔ دوسری جانب صلیبی جنگوں، منگول حملوں، استعماری طاقتوں کی سازشوں، مغربی تہذیب و فلسفہ کے اثرات اور اقتصادی و عسکری شکست نے امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچایا۔

یہ مطالعہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح امت کی علمی و فکری قیادت ماند پڑ گئی اور اخلاقی و روحانی پستی نے اجتماعی زندگی کو متاثر کر کے امت کو زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ مزید برآں یہ تحقیق اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ معاصر دور میں امت مسلمہ سیاسی انتشار، سماجی بحران، تعلیمی و فکری انحطاط اور اخلاقی زوال جیسے مسائل سے دوچار ہے، لیکن ساتھ ہی مسلم اقوام میں بیداری کی تحریکیں، علمی و تعلیمی تنظیمات، اسلامی بینکاری، او آئی سی جیسے ادارے، اور نوجوانوں و خواتین کی نئی جدوجہد امید کی کرن بھی پیش کرتی ہیں۔ تحقیق کے نتائج اس امر پر زور دیتے ہیں کہ امت مسلمہ کے زوال کا حقیقی علاج صرف اسی وقت ممکن ہے جب وہ دوبارہ اپنی علمی و فکری آزادی کو زندہ کرے، اجتہاد کے دروازے کھولے، اخلاقی اقدار کی پاسداری کرے، سائنسی و تعلیمی میدان میں ترقی کو اپنائے اور روحانی وابستگی کو اپنی اجتماعی زندگی کا

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)
Vol.8.No.3 2025

محور بنائے۔ یہی عوامل امت کو ایک نئی نشاۃ ثانیہ کی طرف لے جا سکتے ہیں جو نہ صرف اس کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرے بلکہ عصر حاضر کے عالمی چیلنجز کا بھی سامنا کرنے کے قابل بنائے۔

خلافتِ راشدہ: اصولی قیادت کا درخشاں نمونہ

خلافتِ راشدہ (11ھ–41ھ/632–661ء) اسلامی اقتدار کا سب سے خالص، اصولی، اور فکری دور سمجھا جاتا ہے۔ خلفائے راشدین نے قرآن و سنت کی روشنی میں جس طرزِ حکمرانی کو اختیار کیا، وہ نہ صرف امت کے لیے مثالی تھا بلکہ انسانی تاریخ میں ایک بے مثال سیاسی و اخلاقی نظام کے طور پر ابھرا۔ اس دور میں عدل، شفافیت، احتساب، اور عوامی خدمت کو حکمرانی کے ستونوں کی حیثیت حاصل تھی۔ خلیفہ وقت عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا، اور ریاست کو "امانت" کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک قول اس احساسِ جواب دہی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے:

"لَوْ عَثَرَتْ بَغْلَةٌ فِي الْعِرَاقِ لَخَشِيتُ أَنْ يَسْأَلَنِي اللَّهُ عَنْهَا، لِمَ لَمْ تُصْلِحْ لَهَا الطَّرِيقَ يَا عُمَرُ؟"[1]

"اگر عراق میں ایک خچر بھی ٹھوکر کھا کر گر جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اللہ مجھ سے پوچھے گا: اے عمر! تم نے اس کے لیے راستہ کیوں نہ ہموار کیا؟"

یہ قول خلفائے راشدین کی حکمرانی کے فکری و اخلاقی معیار کو ظاہر کرتا ہے، جہاں ایک جانور کے گرنے پر بھی خلیفہ وقت اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ یہ محض تقویٰ کی بات نہیں، بلکہ ریاست کے تصورِ ذمہ داری کا اظہار ہے، جس نے اسلامی اقتدار کو اخلاقی بنیادوں پر قائم رکھا۔

خلافتِ امویہ: استحکام و وسعت کا دور

خلافتِ راشدہ کے بعد خلافتِ امویہ (41ھ–132ھ/661–750ء) کا آغاز ہوا۔ اگرچہ اس دور میں خلافت کا انداز ملوکیت کے قریب آ گیا، مگر ریاستی نظم و نسق، عدالتی اصلاحات، تہذیبی ترقی، اور فتوحات کے اعتبار سے یہ دور اسلامی عروج کے سلسلے کی اگلی کڑی ثابت ہوا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ریاستی اداروں کو منظم کیا، عربی کو سرکاری زبان قرار دیا، اور مالی و عدالتی اصلاحات نافذ کیں۔ ان کے دور میں اسلامی کرنسی متعارف ہوئی، اور مختلف خطوں میں اسلامی شناخت کو مضبوط کیا گیا۔ ان کی ایک مشہور تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت کے مقاصد محض سلطنت کا پھیلاؤ نہ تھے بلکہ عدل و قانون کا نفاذ بھی تھا:

"الحمد لله الذي جعلني إماماً يعدل به بين الناس، ويقيم الحدود، وينشر العدل."[2]

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے ایسا حکمران بنایا جو لوگوں کے درمیان عدل قائم کرے، حدود نافذ کرے، اور انصاف کو عام کرے۔"

یہ اقتباس خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سیاسی شعور اور دینی ذمہ داری کا مظہر ہے۔ اموی دور میں اگرچہ فکری و سیاسی اختلافات بھی ابھرے، لیکن ایک مستحکم مرکزی حکومت، فتوحات کی توسیع، اور ریاستی نظم و نسق کا قیام اسلامی تہذیب کے پھیلاؤ کا اہم ذریعہ بنا۔

قرآن مجید کی روشنی میں خلافت کا وعدہ

اسلامی اقتدار کے عروج کا اصل سرچشمہ ایمان، تقویٰ، اور عملِ صالح ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ صالح مومنین کو زمین میں خلافت عطا کرے گا:

"وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ"[3]

---

[1] الہندی, علاء الدین علی بن حسام الدین۔ کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال۔ بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1985، ج 5، ص 123

[2] امام سیوطی, جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر۔ تاریخ الخلفاء۔ بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004، جلد 1، صفحہ 165۔

[3] سورۃ النور: 55

"اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ان کو زمین میں خلافت دے گا،
جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی۔"

یہ آیت اسلامی اقتدار کی اصل بنیاد کو واضح کرتی ہے: ایمان، نیک عمل، اور اطاعت۔ خلافت و اقتدار مسلمانوں کے لیے کوئی پیدائشی حق نہیں بلکہ ایک الٰہی انعام ہے، جو اس وقت تک برقرار رہتا ہے جب تک وہ اس کے تقاضوں پر پورا اترتے ہیں۔ خلافتِ راشدہ اور خلافتِ امویہ اس قرآنی وعدے کی تاریخی تعبیرات تھیں۔ مسلمانوں کا ابتدائی عروج محض فتوحات یا عسکری قوت کا نتیجہ نہ تھا بلکہ ایک جامع فکری، اخلاقی، روحانی اور سیاسی نظام کی پیداوار تھا۔ خلافتِ راشدہ میں جہاں ایمان، عدل اور شفاف حکمرانی کی بنیاد رکھی گئی، وہیں خلافتِ امویہ میں اس ریاست کو ادارہ جاتی، تہذیبی اور بین الاقوامی سطح پر مضبوط کیا گیا۔ امت مسلمہ کے لیے یہ دور محض ماضی کی داستان نہیں بلکہ ایک رہنما اصول ہے کہ جب بھی ایمان، علم، عدل اور قیادت کی روح دوبارہ زندہ ہوگی، اسلامی تمدن ایک بار پھر عروج کی راہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

خلافتِ عباسیہ اور علمی ترقی

عباسی خلافت اسلامی تاریخ کا وہ دور ہے جس میں فکری و علمی ترقی نے عروج پایا۔ 750ء میں قائم ہونے والی یہ خلافت دو صدیوں تک دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک کی سرپرست رہی۔ بغداد کی بنیاد نے اسلام کو ایک ایسا مرکز فراہم کیا جو علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ علومِ عقلیہ، فلسفہ، طب، فلکیات اور ریاضیات کا بھی گہوارہ بن گیا۔ خصوصاً خلیفہ مامون الرشید (813ء–833ء) کے دور میں "بیت الحکمہ" کا قیام ہوا، جہاں یونانی، سریانی، ہندی اور فارسی علوم کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ وہی علمی تحریک تھی جسے بعد میں "ترجمہ تحریک" کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس عمل نے اسلامی تہذیب کو صرف محفوظ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نئے افکار و نظریات کی تخلیق کی بنیاد ڈالی۔ ابن الندیم نے "الفہرست" میں مامون الرشید کی علمی کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"وكان المأمون شديد الرغبة في علوم الأوائل، وقد بذل الأموال في استخراج كتبهم
ونقلها إلى العربية."

"مامون کو قدما کے علوم سے شدید رغبت تھی۔ اس نے ان کی کتابوں کو نکالنے اور عربی میں منتقل کرنے پر بے پناہ
دولت صرف کی۔"

یہ اقتباس عباسی علمی فضا کی بنیادی جھلک پیش کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عباسی خلفاء بالخصوص مامون نے نہ صرف علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کی بلکہ علم کو بین الاقوامی پیمانے پر منتقل کیا۔ یونانی فلسفہ، ارسطو اور افلاطون کی تحریریں، بقراط و جالینوس کی طبّی کتب، اور ہندی و ایرانی ریاضیات کو عربی قالب میں ڈھالنے کے بعد ایک نئی علمی دنیا کی تشکیل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ طب، فلکیات اور ریاضی جیسے علوم میں مسلمان علما نے بعد میں ایسے نئے نظریات پیش کیے جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی بنیاد بنے۔

اندلس اور علمی و تہذیبی ارتقاء

اندلس کی اسلامی تاریخ (711ء–1492ء) مسلمانوں کی علمی و تہذیبی خدمات کا ایک درخشاں باب ہے۔ جب اموی فرمانروا عبد الرحمٰن الداخل نے قرطبہ کو اپنا پایہ تخت بنایا تو وہاں ایک ایسی علمی و فکری فضاء قائم ہوئی جو صدیوں تک یورپ اور اسلامی دنیا دونوں کے لیے مینارِ نور بنی رہی۔ اندلس کی جامع مساجد، کتب خانے اور مدارس نہ صرف مقامی علما کے لیے بلکہ یورپی دانشوروں کے لیے بھی مرکزِ علم بن گئے۔

قرطبہ میں موجود کتب خانہ جس میں لاکھوں کتابیں جمع تھیں، اس دور کی عظمتِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اسی طرح غرناطہ اور طلیطلہ کے علمی مراکز نے یورپ کو ترجمہ شدہ علوم فراہم کیے۔ خاص طور پر طلیطلہ (Toledo) کے "مدرسہ المترجمین" کے ذریعے لاطینی دنیا کو اسلامی و یونانی علوم منتقل ہوئے۔ ابن رشد (Averroes) اور ابن طفیل جیسے فلسفیوں کی فکر نے یورپی فلسفہ اور بعد میں رینے ڈیکارٹ اور تھامس ایکویناس جیسے مفکرین پر گہرے اثرات ڈالے۔ المقری نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف نفح الطیب میں اندلس کی علمی فضاء کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"وكان بقرطبة من خزائن الكتب ما لم يكن في بلد من بلاد الإسلام."

"قرطبہ میں ایسے کتب خانے موجود تھے جو اسلامی دنیا کے کسی اور شہر میں نہ تھے۔"

یہ اقتباس اس بات کا ثبوت ہے کہ اندلس محض ایک سیاسی سلطنت نہیں بلکہ ایک علمی مرکز تھا۔ کتب خانوں کی کثرت نے تحقیق و تدریس کے عمل کو فروغ دیا۔ یہاں فلسفہ، طب، فلکیات، ریاضیات اور موسیقی پر اہم کام ہوا۔ ابن باجہ (Avempace) اور ابن طفیل نے فلسفہ میں نئے نظریات پیش کیے، جبکہ ابن رشد نے

ارسطو کے فلسفے کو ایک نئے زاویے سے پیش کر کے یورپی اسکولاستک فلسفے پر گہرا اثر ڈالا۔اسی علمی ماحول کے نتیجے میں یورپ نے "اندلسی ورثہ" کو اپنے نشاۃِ ثانیہ کی بنیاد بنایا۔ عربی تحریروں کے لاطینی تراجم نے جدید سائنس اور فلسفے کی راہیں ہموار کیں۔

سلطنتِ عثمانیہ اور علمی سرگرمیاں

سلطنتِ عثمانیہ (1299ء–1924ء) اسلامی تاریخ کا ایک طویل اور ہمہ گیر دور ہے جس میں نہ صرف سیاسی وسعت بلکہ علمی و فکری خدمات بھی نمایاں ہیں۔ عثمانی سلاطین نے مدارس، کتب خانوں، رصدگاہوں اور سائنسی اداروں کی سرپرستی کی۔ استنبول، بروصہ اور قونیہ جیسے مراکز علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا گہوارہ بنے۔ خاص طور پر سلطان سلیمان القانونی (1520ء–1566ء) کے دور میں "سلیمانیہ مدرسہ" قائم کیا گیا جو اسلامی علوم، طب، فلکیات اور ریاضی کا عظیم مرکز تھا۔ اسی طرح سولہویں صدی میں تقی الدین (1526ء–1585ء) نے استنبول میں ایک عظیم رصدگاہ قائم کی جو اس دور کے یورپی مراکز سے کسی طور کم نہ تھی۔

تقی الدین اپنی کتاب سدس فلکی میں لکھتے ہیں:

"وقد أنشأتُ مرصداً عظيماً في إسلامبول، جمعتُ فيه آلات لم يسبقني إليها أحد."

"میں نے اسلامبول (استنبول) میں ایک عظیم رصدگاہ قائم کی، جس میں ایسے آلات جمع کیے جن کی مثال مجھ سے پہلے کسی نے نہیں دی تھی۔"

یہ اقتباس عثمانیہ سلطنت کے سائنسی ماحول کو واضح کرتا ہے۔ تقی الدین کی رصدگاہ اور ان کے آلاتِ فلکیات اس بات کا ثبوت ہیں کہ عثمانیوں نے فلکیات، طبیعیات اور ریاضی میں عملی تحقیقات کیں۔ عثمانیہ سلطنت میں فقہ اور قانون کی تدریس بھی بام عروج پر تھی۔ "مجلۃ الأحکام العدلیۃ" اسلامی فقہ کی ایک ایسی قانونی تدوین ہے جسے جدید قوانین کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عثمانیوں نے دینی و دنیاوی دونوں علوم کی سرپرستی کی۔

مغلیہ عہد اور برصغیر میں علمی ارتقاء

مغلیہ سلطنت (1526ء–1857ء) برصغیر میں نہ صرف سیاسی غلبے کی علامت تھی بلکہ یہ علمی و فکری سرگرمیوں کا بھی مرکز رہی۔ اکبر اعظم کے دربار میں علما، فلاسفہ اور مورخین جمع ہوئے۔ "آئینِ اکبری" جیسی تاریخی و ادبی تصانیف اس عہد کی علمی شان کا مظہر ہیں۔ شاہجہان کے دور میں بھی علوم و فنون کی سرپرستی کی گئی، مگر سب سے زیادہ فکری اہمیت دارا شکوہ کے عہد کو حاصل ہے، جس نے ہندو مسلم مکالمے اور بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ دیا۔ اس نے مجلس التفاسیر اور سرّ الاسرار جیسی کتب میں اسلامی و ہندی فلسفے کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ ابوالفضل "آئینِ اکبری" میں لکھتے ہیں:

"علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے بادشاہ نے اہلِ علم کو قریب کیا اور ان کے لیے جاگیریں مقرر کیں تاکہ وہ اطمینان سے تصنیف و تالیف میں مشغول رہیں۔"[4]

یہ اقتباس مغلیہ سلطنت کے علمی ماحول کی حقیقت کو عیاں کرتا ہے۔ ابوالفضل اور فیضی جیسے علما کی سرپرستی سے فارسی ادب کو فروغ ملا۔ دارا شکوہ نے اسلامی اور ہندو متون کے تراجم کر کے مکالمہ بین المذاہب کو فروغ دیا۔ اس علمی امتزاج نے برصغیر کو ایک ایسے تہذیبی سانچے میں ڈھالا جہاں مختلف مذاہب اور افکار کا تصادم نہیں بلکہ باہمی اثر و تاثر تھا۔ خلافتِ عباسیہ سے لے کر اندلس، عثمانیہ اور مغلیہ سلطنت تک، اسلامی تہذیب نے دنیا کو علمی و فکری ترقی کی وہ روایت دی جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ یورپ اور باقی دنیا کو بھی متاثر کیا۔ بغداد کا بیت الحکمہ، قرطبہ کے کتب خانے، استنبول کی رصدگاہیں اور دہلی و آگرہ کے علمی مراکز یہ سب اسلامی علمی ورثے کے وہ ستون ہیں جنہوں نے انسانی تہذیب کو نئی وسعت بخشی۔

اسلامی تہذیب کے سنہری پہلو

اسلامی تہذیب اپنی وسعت، تنوع اور اثر پذیری میں دنیا کی عظیم ترین تہذیبوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کے ظہور کے بعد، خلافتِ راشدہ، بنوامیہ، عباسیہ، اندلس، عثمانیہ اور مغلیہ سلطنتوں نے مختلف میدانوں میں ایسی بنیادیں قائم کیں جنہوں نے صدیوں تک انسانی ترقی کو نئی سمت دی۔ یہ سنہری پہلو تمدنی، علمی، اقتصادی اور عسکری قوت کے ذریعے نمایاں ہوئے۔

---

[4] ابوالفضل، ابوالفضل بن مبارک، آئینِ اکبری (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2005ء)، ج1، ص78

تمدنی برتری

اسلامی تمدن کی بنیاد قرآن وسنت پر تھی، جس نے اخلاق، عدل، مساوات اور بھائی چارے کو معاشرتی ڈھانچے میں مرکزی مقام دیا۔ اسلامی شہروں جیسے بغداد، دمشق، قرطبہ، قاہرہ، استنبول اور دہلی نہ صرف سیاسی مراکز تھے بلکہ فنِ تعمیر، ادبیات، فلسفہ اور فنون لطیفہ کے بھی گہوارے تھے۔ ابن خلدون المقدمہ میں لکھتے ہیں:

"فإذا تمكّن الملك من الدولة، انصرف إلى تشييد المباني العظيمة، واتساع العمران، فتصير الدولة في أوج الحضارة."[5]

"جب سلطنت کو استحکام ملتا ہے تو وہ عظیم عمارات کی تعمیر اور تمدنی وسعت کی طرف متوجہ ہوتی ہے، یوں ریاست تہذیب کی بلندی کو پہنچتی ہے۔"

ابن خلدون کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جب اسلامی حکومتوں کو سیاسی استحکام ملا تو انہوں نے شہری ترقی، فنِ تعمیر اور ثقافتی وسعت پر توجہ دی۔ عباسی دور کا بغداد، اندلس کا قرطبہ اور عثمانی استنبول اسلامی تمدن کی شاندار مثالیں ہیں۔

علمی برتری

اسلامی تہذیب نے علم و دانش کے فروغ کو اپنی اصل پہچان بنایا۔ عباسی دور میں بیت الحکمہ قائم کیا گیا جہاں یونانی، فارسی اور ہندی علوم کا ترجمہ ہوا۔ اندلس میں ابن رشد، ابن طفیل، اور ابن زہر جیسے فلسفی پیدا ہوئے۔ ریاضی، فلکیات، طب اور فلسفہ کے میدانوں میں مسلمان علما کی خدمات نے یورپ کے نشاۃ ثانیہ کو راستہ دکھایا۔ الکندی اپنی ایک رسالہ میں لکھتے ہیں:

"ينبغي لنا ألا نستحيي من استحسان الحق، واقتناء الحق من أين أتى، وإن أتى من الأمم البعيدة."[6]

"ہمیں حق کو قبول کرنے اور اپنانے میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے، چاہے وہ حق دور دراز قوموں سے ہی کیوں نہ آئے۔"

اقتباس اسلامی علمی روایت کی کشادگی کو ظاہر کرتا ہے۔ مسلمان علما نے دوسرے تہذیبوں کے علوم کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ان پر تنقیدی اور تخلیقی کام کیا، اور پھر نئی جہتوں کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اقتصادی برتری

اسلامی سلطنتیں نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی طاقت میں بھی نمایاں تھیں۔ اسلامی معیشت عدل، تجارت اور زکوٰۃ و صدقات کے نظام پر استوار تھی۔ بغداد، بخارا، قاہرہ، قرطبہ اور دہلی بین الاقوامی تجارت کے مراکز تھے۔ سونے اور چاندی کے درہم و دینار دنیا بھر کی کرنسیوں کے لیے معیار تھے۔ المقدسی احسن التقاسیم میں قرطبہ کی تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قرطبة أعظم مدن الأندلس، فيها أسواق لا تُحصى، والذهب والفضة يتداولان فيها بكثرة."[7]

"قرطبہ اندلس کا سب سے عظیم شہر ہے، اس میں بے شمار بازار ہیں، اور سونا چاندی کثرت سے لین دین میں استعمال ہوتے ہیں۔"

یہ اقتباس اسلامی اقتصادی نظام کی قوت کو واضح کرتا ہے۔ تجارت اور مالیاتی نظام کی پختگی نے اسلامی سلطنتوں کو دنیا کی بڑی اقتصادی طاقت بنایا۔ اس نظام کی بدولت مختلف خطے ایک دوسرے سے جڑے رہے اور تہذیبی تبادلوں کو فروغ ملا۔

---

[5] ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد، المقدمہ (قاہرہ: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، 1930ء)، ج 1، ص 221۔

[6] الکندی، یعقوب بن اسحاق، رسائل الکندی الفلسفیۃ (قاہرہ: دار الفکر العربی، 1950ء)، ص 45۔

[7] المقدسی، شمس الدین، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم (لیڈن: بریل، 1906ء)، ص 168۔

عسکری برتری

اسلامی تہذیب کی عسکری برتری نہ صرف میدان جنگ میں فتوحات تک محدود تھی بلکہ عسکری حکمتِ عملی، تنظیم اور دفاعی فنون میں بھی تھی۔اسلامی فوجیں منظم تھیں، ان کے پاس گھڑ سوار دستے، منجنیقیں، اور جدید قلعہ بندی کے طریقے موجود تھے۔ صلیبی جنگوں کے دوران صلاح الدین ایوبی کی عسکری حکمت عملی نے یورپ کو حیران کر دیا۔ عثمانیوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے عسکری تاریخ کا نیا باب رقم کیا۔ابن شداد النوادر السلطانیہ میں صلاح الدین ایوبی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"كان شجاعاً مقداماً، يقاتل في الصفوف الأولى، لا يهاب الموت، ويثبت جنوده بثباته."[8]

"وہ (صلاح الدین) نہایت شجاع اور دلیر تھے، اگلی صفوں میں لڑتے، موت سے نہ ڈرتے اور اپنی ثابت قدمی سے فوج کو حوصلہ دیتے تھے۔"

یہ اقتباس اسلامی عسکری روایت کے اس پہلو کو نمایاں کرتا ہے کہ قیادت خود میدان میں موجود رہتی تھی۔ یہ عسکری جذبہ، تنظیم اور حکمت عملی ہی اسلامی سلطنتوں کی کامیابی کی بنیاد بنی۔اسلامی تہذیب کے سنہری پہلو تمدنی وسعت، علمی ارتقاء، اقتصادی استحکام اور عسکری قوت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ یہ وہ عناصر تھے جنہوں نے اسلام کو صرف ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیب کی صورت میں دنیا پر اثرانداز کیا۔ آج بھی ان پہلوؤں کا مطالعہ انسانی ترقی کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

مسلم اقتدار کے زوال کے داخلی اسباب

اسلامی تہذیب کی وسعت اور عظمت نے کئی صدیوں تک دنیا کو متاثر کیے رکھا۔ لیکن ہر عروج کو زوال بھی ہوتا ہے۔ مسلم اقتدار کے زوال کے اسباب میں خارجی عناصر (جیسے صلیبی جنگیں، منگول یلغار اور استعماری طاقتوں کا دباؤ) تو اہم تھے، لیکن داخلی اسباب زیادہ بنیادی تھے۔ یہ داخلی کمزوریاں مسلم معاشرت، سیاست اور قیادت کے ڈھانچے میں سرایت کر گئی تھیں اور رفتہ رفتہ امت کو کمزور کرتی گئیں۔

دینی و اخلاقی کمزوریاں

اسلامی تہذیب کی بنیاد قرآن وسنت پر تھی اور اس کی اصل قوت اخلاقی و روحانی بالادستی میں مضمر تھی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان معاشرے میں دین کی روح کمزور ہوتی گئی اور رسم و رواج نے اس کی جگہ لے لی۔ تعیش پسندی، مال و دولت کی محبت، دنیاوی جاہ و منصب کی حرص اور فرقہ واریت نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ابن خلدون اپنی المقدمہ میں لکھتے ہیں:

"إذا فَسدت العصبية، وذهبت الديانة، فسرعان ما ينهدم الملك ويزول العمران."[9]

"جب عصبیت (یعنی باہمی اتحاد و غیرت) فاسد ہو جائے اور دیانت ختم ہو جائے تو سلطنت جلد ہی ڈھ جاتی ہے اور تمدن مٹ جاتا ہے۔"

یہ قول اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلم معاشروں میں اخلاقی و دینی اقدار کے زوال نے ان کی ریاستی طاقت کو کھوکھلا کر دیا۔ عیش و عشرت میں ڈوبے حکمران، عوامی سطح پر دیانت اور شریعت سے دوری، اور باہمی تعصب نے امت کو ایک ایسے بحران میں مبتلا کر دیا جہاں زوال ناگزیر تھا۔

قیادت میں فقدانِ صلاحیت

زوال کا ایک اور اہم داخلی سبب قیادت کے بحران کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابتدا میں مسلم حکمران صالح، عادل اور اہلِ علم تھے، لیکن بعد میں قیادت عیش و عشرت، نااہلی اور سازشوں کی نذر ہو گئی۔ فوجی کمانڈروں میں بھی بصیرت کی کمی پیدا ہوئی اور وہ وقتی مفاد کے لیے طویل المیعاد مقاصد کو نظرانداز کرتے رہے۔ مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں:

---

8 ابن شداد، بہاء الدین یوسف، النوادر السلطانیۃ والمحاسن الیوسفیۃ (قاہرہ: المکتبۃ الحلبیۃ، 1896ء)، ص 203۔

9 ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد، المقدمۃ (قاہرہ: مکتبہ الخانجی، 1967ء)، ج 1، ص 233۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

"إن فساد الملوك يوجب فساد الرعية، وإذا بطل التدبير ضاعت السياسة، وضاع معها الملك."[10]

"جب بادشاہ فاسد ہو جائیں تو رعایا بھی بگڑ جاتی ہے، اور جب تدبیر باطل ہو جائے تو سیاست برباد ہو جاتی ہے اور سلطنت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔"

یہ اقتباس اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ مسلم اقتدار کے زوال میں قیادت کی نااہلی بنیادی عنصر تھی۔ بادشاہی دربار سازشوں کا شکار ہو گئے، وزیر اور مشیر ذاتی مفادات کے اسیر بن گئے، اور علماء و عوام میں اعتماد کا رشتہ کمزور پڑ گیا۔ نتیجتاً داخلی انتشار نے بیرونی حملہ آوروں کے لیے راہ ہموار کی۔ اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی علمی و فکری خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اجتہاد کو اپنے نظامِ قانون و تمدن کا بنیادی حصہ بنایا۔ اجتہاد نے مسلم معاشرے کو نئے مسائل کے حل کی صلاحیت بخشی اور زمانے کے تغیرات کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی قوت عطا کی۔ لیکن رفتہ رفتہ جب اجتہاد کا دروازہ بند ہوا اور تقلید نے پورے فکری ماحول پر قبضہ کر لیا، تو اسلامی معاشرے کی فکری و علمی تخلیقیت ختم ہو گئی۔ علمی مراکز جنہیں کبھی تحقیق و تخلیق کی آماجگاہ سمجھا جاتا تھا، محض نصوص کی تقلید اور تکرار کے مراکز بن گئے۔ نئی ابھرتی ہوئی علمی اور سائنسی چیلنجز کے مقابلے میں مسلم علما اجتہاد کی بجائے سابقہ آرا پر انحصار کرنے لگے۔ اس جمود نے نہ صرف علمی ارتقاء کو روکا بلکہ مسلم معاشرے کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھلنے سے بھی محروم کر دیا۔

علامہ اقبال اجتہاد کے تعطل پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اجتہاد کا دروازہ بند کر دینا در حقیقت اسلام کی روح کو قید کر دینا ہے، کیونکہ اسلام ایک زندہ قوت ہے جو زمان و مکان کے تغیرات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی ہے۔"[11]

فرقہ واریت اور سیاسی انتشار

مسلمانوں کے زوال کا ایک اور بڑا داخلی سبب فرقہ واریت اور باہمی انتشار ہے۔ ابتدائی دور میں جب تک وحدتِ ملت کا تصور غالب رہا، مسلمان ایک طاقتور امت کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن بعد کے زمانوں میں فقہی و کلامی اختلافات نے فرقہ واریت کو جنم دیا، اور سیاسی اقتدار کی کشمکش نے ان اختلافات کو مزید بڑھا دیا۔

سلطنتوں اور خلافتوں میں طاقت کی تقسیم نے باہمی جنگوں کو جنم دیا۔ ہر گروہ اپنے فقہی یا سیاسی موقف کو حتمی سمجھ کر دوسرے کو کمزور کرنے میں مصروف ہو گیا۔ اس صورتحال نے نہ صرف مسلم وحدت کو پارہ پارہ کیا بلکہ بیرونی طاقتوں کے لیے مداخلت کا دروازہ بھی کھول دیا۔ ابن خلدون اس انتشار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إذا تفرّقت العصبية ذهبت الدولة، وإذا ذهبت الدولة اختلّ العمران."[12]

"جب قوم کی اجتماعیت ٹوٹ جائے تو سلطنت ختم ہو جاتی ہے، اور جب سلطنت ختم ہو تو تمدن بگڑ جاتا ہے۔"

یہ قول واضح کرتا ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی و معاشرتی انتشار ان کے اقتدار کے زوال کا بنیادی سبب بنا۔ فرقہ وارانہ تعصب اور اقتدار کی کشمکش نے اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان دشمن قوتوں کے مقابلے میں کمزور ہو گئے۔ اجتہاد کے دروازے کے بند ہونے اور تقلید کے غلبے نے مسلم معاشرے کو فکری جمود کا شکار کر دیا، جبکہ فرقہ واریت اور سیاسی انتشار نے اجتماعی وحدت کو توڑ ڈالا۔ ان دونوں عوامل نے اندرونی طور پر مسلمانوں کو اس حد تک کمزور کر دیا کہ بیرونی طاقتوں کے حملوں کا سامنا کرنے کے قابل نہ رہے۔

عیش و عشرت اور تعیش پسندی

اسلامی تہذیب کے ابتدائی ادوار میں حکمران اور عوام دونوں سادگی اور ایثار کی اعلیٰ مثالیں پیش کرتے تھے۔ خلفائے راشدین کی زندگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اقتدار کو کبھی ذاتی آسائش یا دنیاوی نمود و نمائش کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ لیکن بعد کے ادوار میں، خصوصاً عباسی اور اندلسی دور کے آخری حصے میں، شاہانہ طرزِ

---

10 مسعودی، علی بن حسین، مروج الذہب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1989ء)، ج2، ص145

11 اقبال، محمد، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، 1989ء)، ص152۔

12 ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد، المقدمہ (بیروت: دار الفکر، 2004ء)، ص245۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

زندگی، تعیش پسندی اور غیر ضروری فضول خرچی نے مسلم معاشروں کو اندر سے کھوکھلا کر دیا۔ حکمرانوں کے محلات عیش و عشرت کے مراکز بن گئے، جہاں موسیقی، رقص و سرود اور غیر ضروری دکھاوا عام ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں نہ صرف مالی وسائل ضائع ہوئے بلکہ عوام اور حکمرانوں کے درمیان خلیج بھی بڑھ گئی۔ یہ صورتِ حال دشمن طاقتوں کے لیے راستہ ہموار کرنے کا سبب بنی۔ المسعودی عباسی خلفاء کی تعیش پسندی پر لکھتے ہیں:

"كانت قصور بني العباس مملوءة بالذهب والفضة والزخارف، يعيشون في ترف عظيم حتى ضعف سلطانهم وفسدت أحوال رعيتهم."[13]

"عباسی خلفاء کے محلات سونے، چاندی اور آرائش و زیبائش سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ انتہائی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی سلطنت کمزور ہو گئی اور رعایا کے حالات بگڑ گئے۔"

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ حکمران طبقے کی فضول خرچی اور تعیش پسندی نے سلطنت کو کمزور کیا اور رعایا کے ساتھ تعلق کو توڑ ڈالا۔ جب قیادت ہی عیش و عشرت میں ڈوب جائے تو معاشرتی و عسکری قوت لازمی طور پر زوال پذیر ہو جاتی ہے۔

تعلیمی و سائنسی زوال

اسلامی تاریخ میں تعلیم و تحقیق کی اہمیت ہمیشہ نمایاں رہی ہے۔ بیت الحکمہ، جامعہ قرطبہ، نظامیہ بغداد اور دیگر علمی مراکز دنیا بھر کے لیے مشعلِ راہ تھے۔ مسلمانوں نے ریاضی، طب، فلکیات، فلسفہ اور دیگر علوم میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ لیکن زوال کے دور میں تعلیم محض رواجی رسم بن گئی۔ مدارس میں تکراری علوم اور محدود فقہی مباحث پر اکتفا کیا جانے لگا، جبکہ سائنسی تحقیق اور تجربات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ علمی مراکز جو کبھی تحقیق کے سرچشمے تھے، محض روایت کے محافظ بن کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی اقوام نے انہی علوم کو مسلمانوں سے اخذ کر کے ترقی کی راہیں اختیار کیں، جبکہ مسلمان علمی میدان میں پیچھے رہ گئے۔

جارج سارٹن اپنی معروف کتاب میں لکھتے ہیں:

"The Muslims neglected scientific research in their later centuries, and the torch of knowledge passed on to Europe, which developed upon the foundations laid by the Muslims[14]".

"مسلمانوں نے بعد کے صدیوں میں سائنسی تحقیق کو نظر انداز کر دیا، اور علم کا مشعل یورپ کو منتقل ہو گیا جس نے مسلمانوں کی قائم کردہ بنیادوں پر ترقی کی۔"

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ جب مسلمان علمی و تحقیقی میدان میں پیچھے ہٹے تو یورپ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوا۔ اس سے مسلم معاشروں میں علمی جمود اور سائنسی زوال نے سیاسی و عسکری زوال کو مزید تیز کر دیا۔ مسلم اقتدار کے داخلی اسباب میں عیش و عشرت، اجتہاد کا تعطل، فرقہ واریت اور تعلیمی زوال بنیادی عوامل تھے۔ ان سب نے مل کر امت کو اندرونی طور پر کمزور کیا۔ جب قیادت میں سادگی اور صلاحیت ختم ہوئی، اجتہاد و تحقیق کا عمل رکا، فرقہ واریت نے اتحاد توڑا اور علمی مراکز جمود کا شکار ہوئے، تو زوال ایک ناگزیر حقیقت بن گیا۔

علم سے دوری اور جمودِ فکری

اسلامی تاریخ میں علم و حکمت کو وہ مقام حاصل تھا جس نے مسلمانوں کو عالمی سطح پر قیادت عطا کی۔ قرآن نے بارہا غور و فکر، تدبر اور عقل و علم کو اپنانے پر زور دیا۔ ابتدائی مسلم معاشرہ علم کے فروغ اور تحقیق کے میدان میں دنیا کی سب سے روشن مثال تھا۔ لیکن جب مسلم معاشرہ زوال کی طرف مائل ہوا تو علم کا حقیقی مقصد، یعنی عقل کی آزادی اور تحقیق کی جستجو، پس منظر میں چلا گیا۔

مدارس اور جامعات میں محض سابقہ نصوص کی تکرار ہونے لگی۔ اجتہاد کی جگہ تقلید نے لے لی، اور فکری آزادی کی بجائے جامد رویوں نے معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس جمود نے نہ صرف سائنسی و فکری ترقی کو روکا بلکہ مسلم معاشروں کو نئے چیلنجز کا سامنا کرنے کے قابل بھی نہ چھوڑا۔ ابن خلدون علمی جمود کے اسباب پر لکھتے ہیں:

---

[13] مسعودی، علی بن حسین، مروج الذهب (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1988ء)، ج3، ص112۔

[14] سارٹن، جارج، Introduction to the History of Science (بالٹیمور: کارنیگی انسٹیٹیوشن، 1927ء)، ج2، ص45

"فإذا فسدت الحضارة ومالت إلى الدعة والترف، ضعف حينئذ النظر في العلوم، وقلّ الاجتهاد، وانصرف الناس إلى التقليد."[15]

"جب تہذیب بگڑ جاتی ہے اور عیش و آرام کی طرف مائل ہو جاتی ہے، تو علوم میں غور و فکر کمزور ہو جاتا ہے، اجتہاد گھٹ جاتا ہے اور لوگ تقلید کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔"

ابن خلدون کے یہ الفاظ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ علمی جمود محض فکری مسئلہ نہیں بلکہ تہذیبی زوال کی علامت ہے۔ جب معاشرے میں تحقیق، اجتہاد اور نئی فکر کی گنجائش باقی نہ رہے تو وہ خود بخود جمود کا شکار ہو جاتا ہے اور بیرونی اقوام کے مقابلے میں پیچھے رہ جاتا ہے۔

سماجی ناہمواری اور عدل کا فقدان

اسلامی سلطنت کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھی گئی تھی۔ قرآن نے عدل کو امت کے قیام کا مقصد قرار دیا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "عدل کے ذریعے ہی قومیں قائم رہتی ہیں۔" خلفائے راشدین کے دور میں عدل کی بہترین مثالیں قائم کی گئیں، لیکن بعد کے ادوار میں جب عدل و مساوات کو نظر انداز کیا گیا اور سماجی ناہمواری بڑھ گئی تو سلطنت کے اندرونی ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچا۔ طبقاتی فرق نے رعایا کو حکمرانوں سے دور کر دیا۔ عوام کو انصاف سے محروم رکھنے اور امرا کو ناجائز اختیارات دینے سے سماج میں بغاوت اور بداعتمادی نے جنم لیا۔ یہ صورتِ حال دشمن کے لیے راہیں ہموار کرنے کا سبب بنی۔ المقریزی عدل کے فقدان پر لکھتے ہیں:

"إن الظلم مؤذن بخراب العمران، وإذا فشا الجور في البلاد أسرع خرابها، وزال سلطانها."[16]

"ظلم و ناانصافی تمدن کی بربادی کا اعلان ہے۔ جب کسی علاقے میں ظلم عام ہو جاتا ہے تو اس کی بربادی جلد واقع ہو جاتی ہے اور اس کا اقتدار ختم ہو جاتا ہے۔"

یہ اقتباس اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ عدل و انصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ظلم اور طبقاتی ناہمواری عوام کے دلوں میں بغاوت پیدا کرتی ہے اور ریاست کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بڑا داخلی سبب یہی عدل کا فقدان تھا۔

خارجی عوامل اور تہذیبی یلغار

مسلمانوں کے زوال میں جہاں داخلی اسباب نے گہرا کردار ادا کیا، وہیں خارجی عوامل اور تہذیبی یلغار بھی نہایت اہم ہیں۔ اسلام کی عالمی بالادستی کو ختم کرنے کے لیے مختلف ادوار میں صلیبی طاقتیں، منگول افواج اور بعد ازاں استعماری قوتیں میدان میں آئیں۔ یہ حملے محض عسکری نہ تھے بلکہ تہذیبی و فکری یلغار کی صورت بھی اختیار کرتے رہے۔

صلیبی جنگیں اور منگول حملے

صلیبی جنگوں (1095ء تا 1291ء) نے اسلامی دنیا کے سیاسی و عسکری ڈھانچے کو شدید نقصان پہنچایا۔ یورپ کی مذہبی اور عسکری قوتوں نے مسلمانوں کو مشرقِ وسطیٰ سے نکالنے اور بیت المقدس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ ان جنگوں نے اسلامی دنیا کو کئی صدیوں تک عدم استحکام کا شکار رکھا۔ اسی طرح منگول حملے (13ویں صدی) اسلامی تہذیب کے لیے سب سے خوفناک سانحہ ثابت ہوئے۔ بغداد، جو علم و حکمت کا مرکز تھا، ہلاکو خان کی افواج کے ہاتھوں 1258ء میں تباہ ہوا۔ لاکھوں مسلمان شہید ہوئے، لائبریریاں جلادی گئیں، اور خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ابن الاثیر نے منگول یلغار کی ہولناکی بیان کرتے ہوئے لکھا:

"فيا ليت أمي لم تلدني، ويا ليتني مت قبل هذا وكنت نسياً منسياً... ما وقع في الإسلام منذ بعث الله محمداً إلى هذا الوقت مثل هذه النازلة."[17]

---

15 ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، المقدمہ (بیروت: دار الفکر، 2005ء)، ج 1، ص 411

16 مقریزی، احمد بن علی، المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار (قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1998ء)، ج 2، ص 56

17 ابن الاثیر، علی بن محمد، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1995ء)، ج 9، ص 352

"کاش میری ماں نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا، اور کاش میں اس وقت سے پہلے مر گیا ہوتا اور بھلا دیا گیا ہوتا... اسلام میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آج تک ایسی مصیبت کبھی نہیں آئی جیسی اب آئی ہے۔"

ابن الاثیر کی یہ تحریر ظاہر کرتی ہے کہ منگول یلغار نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی طور پر بلکہ تہذیبی اور روحانی سطح پر بھی مفلوج کر دیا۔ علم و فکر کے مراکز تباہ ہوئے اور مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو شدید دھچکا لگا۔ صلیبی جنگوں اور منگول حملوں نے مسلمانوں کے زوال کو تیز تر کر دیا۔

استعماری قوتوں کی چالیں

صلیبی اور منگول یلغار کے بعد جب مسلمان کچھ سنبھلنے لگے تو یورپی استعماری قوتیں میدان میں آ گئیں۔ یہ قوتیں عسکری طاقت کے ساتھ ساتھ سیاسی، تہذیبی اور فکری منصوبہ بندی کے ساتھ آئیں۔ برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور بعد ازاں دیگر استعماری طاقتوں نے مسلم دنیا کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ استعمار نے مسلمانوں کے وسائل لوٹے، تعلیمی اور عدالتی نظام کو مغربی سانچوں میں ڈھالا، اور اپنی تہذیب کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ استعمار کی سب سے خطرناک چال یہ تھی کہ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کو ہوا دی گئی اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کیا گیا۔ شبلی نعمانی نے استعمار کی سازشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"یورپ کی سیاست کا سب سے بڑا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اب کوئی قاہرہ کی پروا نہیں کرتا، نہ بغداد کا نام باقی رہا، اور نہ ہی قرطبہ کی گونج سنائی دیتی ہے۔"[18]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ استعماری قوتوں نے محض زمین پر قبضہ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی فکری وحدت اور تہذیبی مرکزیت کو بھی ختم کر دیا۔ نتیجتاً مسلمان ایک منتشر اور محکوم قوم کی صورت اختیار کر گئے۔

مغربی تہذیب و فلسفہ کا اثر

یورپ میں نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور روشن خیالی (Enlightenment) کے بعد مغربی تہذیب نے دنیا پر ایک نئے فکری اور سائنسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ فلسفہ، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ یورپ نے اپنی تہذیبی بالادستی قائم کرنا شروع کی۔ مسلمانوں نے جب علم سے کنارہ کشی اختیار کی اور اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، تو مغرب کے نظریات اور فلسفے مسلم دنیا میں اثر انداز ہونے لگے۔ مغربی فلسفہ مادیت (Materialism)، سیکولرزم اور الحاد کو فروغ دیتا تھا۔ نتیجتاً مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد مغربی افکار سے متاثر ہوئی اور اسلامی تہذیب کی روحانی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں۔

سید جمال الدین افغانی نے مغربی فلسفے کے اثرات پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

"المسلمون قد فتنوا بالفلسفة الغربية حتى ظنوا أن لا حياة لهم إلا إذا قلدوا أوروبا في ظاهرها وباطنها."[19]

"مسلمان مغربی فلسفے میں ایسے فتنہ زدہ ہوئے کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان کی زندگی کا دارومدار اسی میں ہے کہ وہ یورپ کی ظاہری اور باطنی ہر چیز کی نقالی کریں۔"

افغانی کے اس قول سے واضح ہے کہ مغربی فلسفہ اور تہذیب کا اثر محض علمی سطح پر نہ رہا بلکہ اس نے مسلمانوں کی فکری بنیادوں کو ہلا دیا۔ اسلام کی روحانیت اور ایمانیات پس منظر میں چلی گئیں اور تقلیدی ذہنیت نے جمود کو مزید گہرا کر دیا۔

اقتصادی استحصال اور عسکری شکست

مسلمانوں کے زوال میں ایک اہم کردار اقتصادی استحصال اور عسکری شکست نے ادا کیا۔ استعماری طاقتوں نے مسلم دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے ان کو اپنی صنعتوں کا ایندھن بنا لیا۔ ہندوستان سے کپاس، مصالحہ جات، معدنیات اور دیگر وسائل کو لوٹ کر یورپ کی معیشت کو تقویت ملی، جبکہ مقامی صنعتیں تباہ کر دی گئیں۔ عسکری طور پر بھی مسلمان استعماری طاقتوں کا مقابلہ نہ کر سکے کیونکہ ان کے پاس سائنسی اور ٹیکنالوجیکل بنیاد پر تیار شدہ جدید اسلحہ نہیں تھا۔ توپخانے، بحری جہاز، اور جدید فوجی تنظیم نے یورپ کو برتری عطا کی۔ اس کے مقابلے میں مسلم افواج پرانے نظام سے وابستہ رہیں، نتیجتاً وہ شکست سے دوچار ہوئیں۔

---

18 شبلی نعمانی، محمد، المامون (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 1962ء)، ص 211۔

19 سید جمال الدین افغانی، الرد علی الدھریین (قاہرہ: المکتبۃ الازہریہ، 1900ء)، ص 45

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مولانا شبلی نعمانی نے ہندوستان کی اقتصادی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"انگریزوں نے ہندوستان کی دولت کو اس طرح نچوڑا کہ اب یہ ملک ایک کھنڈر کی شکل اختیار کر چکا ہے، اور اہلِ ہند محض محکوم اور محتاج بن گئے ہیں۔"[20]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ استعماری قوتوں نے مسلم ممالک کو معاشی طور پر کمزور کر کے اپنی معیشت مضبوط کی۔ اقتصادی استحصال نے مسلمانوں کو صنعت، تجارت اور زراعت کے میدان میں بے بس کر دیا جبکہ عسکری شکست نے ان کے سیاسی اقتدار کو ختم کر دیا۔

خارجی عوامل اور تہذیبی یلغار

مشرق و مغرب کی علمی تقسیم

اسلامی تہذیب نے ایک وقت میں علم و تحقیق کا ایسا سرمایہ جمع کیا جو مشرق اور مغرب دونوں کے لیے روشنی کا منبع تھا۔ بغداد، قرطبہ، غرناطہ اور سمرقند جیسے مراکز علم و فن سے ہزاروں کتب اور سائنسی افکار نے جنم لیا۔ لیکن سقوطِ بغداد (1258ء) اور اندلس کے زوال (1492ء) کے بعد یہ علمی سرمایہ مغرب کی جانب منتقل ہو گیا۔ مغرب نے مسلمانوں کی تصنیفات کو ترجمہ کر کے اپنی جامعات میں رائج کیا، اور رفتہ رفتہ اپنی علمی بالادستی قائم کر لی۔ اس کے برعکس مشرقی دنیا میں علم کی ترقی رک گئی، اجتہاد کے بجائے تقلید کا غلبہ ہو گیا، اور فکری جمود نے مسلمانوں کو علمی میدان میں پیچھے دھکیل دیا۔ جرجی زیدان لکھتے ہیں:

"إنّ أوروبا قد أخذت من العرب علومهم، ثم زادت عليها ووسّعتها حتى صارت لهم قوة وتمدّن، بينما جمد المسلمون عند ما وقفوا."[21]

"یورپ نے عربوں سے ان کا علم لیا، پھر اس پر اضافہ کیا اور اس کو وسعت دی، یہاں تک کہ یہ ان کے لیے قوت اور تہذیب کا ذریعہ بن گیا، جبکہ مسلمان وہیں رک گئے اور جمود کا شکار ہوئے۔"

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علمی سرمایہ مسلمانوں سے مغرب کو منتقل ہوا اور وہ ترقی کی منازل طے کرنے لگا۔ مگر مسلم دنیا نے نہ صرف یہ کہ اپنی علمی روایت کو آگے نہ بڑھایا بلکہ اس میں جمود نے زوال کو اور تیز کر دیا۔

مسلمان حکمرانوں کی مغرب نوازی

مسلمانوں کے زوال کے دور میں ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ بہت سے حکمران مغرب کی اندھی تقلید کے شکار ہو گئے۔ ان کے نزدیک مغرب کی عسکری، سیاسی اور تہذیبی برتری کو اپنانا ہی ترقی کا واحد راستہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عوام اور دینی اقدار کے بجائے مغربی طاقتوں کو خوش کرنے کی پالیسی اپنائی۔ یہ مغرب نوازی بعض اوقات اتنی بڑھ گئی کہ مسلم حکمران اپنے ملک کے وسائل کو استعماری طاقتوں کے ہاتھوں فروخت کرنے لگے اور اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے عوام کے بجائے بیرونی طاقتوں پر انحصار کرنے لگے۔ اکبر الٰہ آبادی نے طنزیہ انداز میں کہا:

"ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا"

"ہم اگر ذرا سا احتجاج بھی کریں تو بدنام ہو جاتے ہیں، لیکن مغرب قتل و غارت بھی کرے تو اس پر کوئی چرچا نہیں ہوتا۔"[22]

اکبر الٰہ آبادی کے اشعار اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مسلم حکمران اور اشرافیہ مغرب کی خوشنودی کے لیے اپنی اقدار اور قوم کے مفاد کو پس پشت ڈالنے لگے تھے۔ یہ رویہ استعماری قوتوں کے لیے سہولت کار بن گیا، اور مسلم معاشرے مزید کمزور ہوئے۔

---

[20] شبلی نعمانی، محمد، المامون (اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 1962ء)، ص 225

[21] جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی (بیروت: دار الفکر، 1967ء)، ج 3، ص 112۔

[22] اکبر الٰہ آبادی، کلیات اکبر (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1962ء)، ص 54

امت مسلمہ کا فکری و علمی انحطاط

تقلید پرستی اور تخلیقی سوچ کی کمی

اسلام کی ابتدائی صدیوں میں اجتہاد اور تخلیقی فکر کا غیر معمولی چرچا تھا۔ ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کا حل نکالا اور علمی آزادی کی روایت قائم کی۔ لیکن چوتھی صدی ہجری کے بعد رفتہ رفتہ اجتہاد کے دروازے بند سمجھے جانے لگے، اور تقلید پرستی کا غلبہ ہو گیا۔ یہ رویہ امت مسلمہ کے زوال کا ایک اہم سبب ثابت ہوا کیونکہ علمی ترقی اور تخلیقی سوچ کا دروازہ بند کر کے محض سابقہ آراء کی تکرار کو علم سمجھا جانے لگا۔ اس جمود نے نئی علمی و تہذیبی چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت کو کمزور کر دیا۔ علامہ اقبال لکھتے ہیں:

"مقلد کی نظر میں زندگی ایک جامد شے ہے، جبکہ مجتہد کی نظر میں زندگی ایک حرکت ہے، تغیر ہے، ارتقاء ہے۔"[23]

یہ اقتباس اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں نے جب اجتہاد کو ترک کر کے محض تقلید پرستی کو اختیار کیا تو ان کی فکری دنیا جمود کا شکار ہو گئی۔ اقبال نے اس جمود کو امت مسلمہ کی بدحالی کا بنیادی سبب قرار دیا ہے۔

مذہبی و دینی اداروں کا زوال

اسلامی تہذیب کے عروج میں مساجد، مدارس اور کتب خانے علم و تحقیق کے مراکز تھے۔ بغداد کی "بیت الحکمہ" اور قرطبہ کے کتب خانے نہ صرف مذہبی بلکہ سائنسی و فلسفیانہ علوم کے بھی عظیم مراکز تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں مذہبی ادارے صرف فقہ اور جزئیات تک محدود ہو گئے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دینی مدارس میں منطق و فلسفہ کی جگہ محض الفیہ اور صرف و نحو کی تکرار نے لے لی۔ علمی تحقیق کے بجائے یادداشت اور رٹہ بازی کو علم کا معیار سمجھا جانے لگا۔ اس صورت حال نے ان اداروں کو معاشرتی و تہذیبی رہنمائی کے بجائے ماضی کی تکرار تک محدود کر دیا۔ ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

"مدارس اسلامیہ نے اپنی اصل روح کھو دی، وہ تحقیق و اجتہاد کے مراکز کے بجائے محض ماضی کے علوم کی حفاظت اور تکرار کے قلعے بن گئے۔"[24]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مدارس و دینی ادارے وقت کے تقاضوں کے مطابق علمی قیادت فراہم کرنے میں ناکام ہو گئے۔ ان کا کردار محدود اور جامد ہو گیا، جس نے امت کو جدید دنیا کے چیلنجز کے سامنے کمزور کر دیا۔

امت مسلمہ کا فکری و علمی انحطاط

جدید علوم سے اجتناب

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں مسلمان ریاضی، طب، فلکیات، جغرافیہ اور فلسفہ جیسے علوم میں دنیا کی قیادت کر رہے تھے۔ بیت الحکمہ اور اندلس کی یونیورسٹیاں اس بات کی شاہد ہیں کہ مسلمانوں نے صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ دنیاوی و سائنسی علوم میں بھی بے مثال کارنامے سرانجام دیے۔ لیکن زوال کے دور میں مسلمانوں نے رفتہ رفتہ ان علوم سے اجتناب کرنا شروع کر دیا۔ جب یورپ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے ذریعے انہی اسلامی علوم سے استفادہ کر کے آگے بڑھ رہا تھا، مسلمان مذہبی و دنیاوی علوم کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر دینی اداروں کو صرف فقہ اور نحو و صرف تک محدود کر بیٹھے۔ اس علمی اجتناب کے نتیجے میں مسلمان دنیاوی ترقی کے میدان سے کٹ گئے۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"جب کسی قوم میں علمی ذوق سرد پڑ جاتا ہے اور دنیاوی علوم سے بے رغبتی بڑھتی ہے تو وہ قوم تمدن کی قیادت سے محروم ہو جاتی ہے۔"[25]

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں نے جب جدید و سائنسی علوم کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیا تو اس کے نتیجے میں قیادت کا منصب ان کے ہاتھ سے نکل کر مغربی اقوام کے پاس چلا گیا۔ یہ علمی بے رغبتی امت مسلمہ کے زوال کی نمایاں علامت ہے۔

---

[23] محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1986ء)، ص 45

[24] ابوالحسن علی ندوی، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (دمشق: دار القلم، 1979ء)، ص 89

[25] ابن خلدون، المقدمہ (قاہرہ: دار الفکر العربی، 1981ء)، ج 1، ص 234

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

مصلحین کی فکر کا انکار

امت مسلمہ کی تاریخ میں مختلف ادوار میں ایسے مفکرین و مصلحین سامنے آئے جنہوں نے امت کو جمود سے نکالنے اور نئی راہیں دکھانے کی کوشش کی۔ لیکن عمومی طور پر ان کی اصلاحی تحریکوں کو مخالفت، تردید اور انکار کا سامنا کرنا پڑا۔ امام ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ دہلوی، سید جمال الدین افغانی اور علامہ اقبال جیسے مصلحین نے اجتہاد، فکری بیداری اور دینی و دنیاوی علوم کی ہم آہنگی پر زور دیا۔ لیکن امت کی اکثریت نے ان کی فکر کو قبول کرنے کے بجائے مخالفت کی، جس سے ان کی کوششیں عملی نتائج نہ دے سکیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

> "میری ساری جدوجہد اس لیے ہے کہ امت میں اجتہاد کا دروازہ کھلے اور قرآن و سنت سے براہ راست رہنمائی حاصل کی جائے، لیکن اہلِ زمانہ اسے قبول کرنے کے بجائے سخت مخالفت کرتے ہیں۔"[26]

یہ اقتباس اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اصلاحی تحریکوں کو امت نے سنجیدگی سے نہیں لیا۔ مصلحین کی فکر کا انکار دراصل جمودِ فکری کو مزید پختہ کرنے کا سبب بنا، جس نے امت کو نشاۃ ثانیہ کی راہ پر چلنے سے روکے رکھا۔

مذہب کا رسمی و غیر فعالیتی تصور

اسلام اپنی اصل میں دینِ عمل ہے، جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ مگر زوال کے ادوار میں مسلمانوں نے مذہب کو ایک رسمی اور غیر فعالیتی صورت دے دی۔ مذہبی زندگی محض چند عبادات، رسوم اور شعائر تک محدود کر دی گئی، جبکہ اس کی عملی روح، یعنی عدل، مشاورت، علم، اخلاقی قوت اور سماجی اصلاح، معاشرے سے رخصت ہو گئی۔

عبادات اور شعائر کو اہمیت دینا بجائے خود غلط نہیں، لیکن جب یہ اسلام کی جامع تعلیمات کے متبادل بن گئے تو مذہب اپنی اصلی معنویت سے محروم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان معاشرتی، سیاسی اور سائنسی میدانوں میں پیچھے رہ گئے، حالانکہ قرآن و سنت نے انہیں ہمہ جہت ترقی کا ضامن بنایا تھا۔ علامہ محمد اقبال نے اس پہلو کو یوں بیان کیا:

> "اسلام جب محض ایک رسم رہ جائے اور اس کے اندر کی حرارت اور عمل کی روح سرد ہو جائے تو وہ قوموں کے دلوں سے اپنا اثر کھو دیتا ہے۔"[27]

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ اسلام کو صرف ظاہری اور رسمی عبادات تک محدود کر دینا اس کی روحانی و تمدنی قوت کو ختم کر دیتا ہے۔ مسلمانوں نے جب مذہب کو صرف رسمی دائرے میں قید کیا تو وہ دین کی انقلابی اور متحرک روح سے محروم ہو گئے، جو ترقی اور قیادت کی بنیاد تھی۔

مغربی فکر کی غیر تنقیدی نقالی

زوال کے ادوار میں جب مسلمان علمی و تمدنی میدانوں میں پیچھے رہ گئے تو انہوں نے مغربی فکر و فلسفہ کو بغیر کسی تنقید کے اپنانا شروع کر دیا۔ نشاۃ ثانیہ اور صنعتی انقلاب کے بعد یورپ نے جو مادی ترقی حاصل کی، مسلمانوں نے اسے حیرت سے دیکھا اور بجائے اپنے فکری سرمائے کو بروئے کار لانے کے، مغرب کی اندھی تقلید اختیار کی۔ یہ نقالی تعمیری نہیں تھی بلکہ محض سطحی ظواہر تک محدود رہی۔ مسلمانوں نے مغربی تہذیب کے سائنسی و تحقیقی پہلوؤں کے بجائے زیادہ تر اس کی معاشرتی، فکری اور اخلاقی روش کو اپنا لیا، جس نے ان کے اپنے معاشرتی ڈھانچے کو مزید کمزور کر دیا۔ سید جمال الدین افغانی اس پہلو پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مسلمانوں نے مغرب کی سائنسی روح کو اختیار کرنے کے بجائے اس کی ظاہری چمک دمک اور بے راہ روی کو اپنا لیا، یہی ان کے زوال کا سب سے بڑا سبب ہے۔"[28]

---

26 شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ (قاہرہ: المکتبہ الازہریہ، 1936ء)، ج 1، ص 52

27 محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1958ء)، ص 78۔

28 سید جمال الدین افغانی، العروۃ الوثقیٰ (قاہرہ: المطبعۃ الازہریہ، 1884ء)، ص 41۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ مغرب سے اخذ و استفادہ اس وقت فائدہ مند ہو سکتا تھا جب اسے تنقیدی بصیرت اور اسلامی اقدار کی روشنی میں اپنایا جاتا۔ مگر اندھی نقالی نے امت کو مزید پسماندہ اور اپنی علمی میراث سے بیگانہ کر دیا۔

اخلاقی و روحانی پستی

ذاتی و اجتماعی اخلاقیات کا بحران

اسلامی تہذیب کی بنیاد عدل، صداقت، امانت اور دیانت جیسے اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ یہی اقدار مسلمانوں کو دنیا کی دیگر قوموں پر فوقیت دیتی تھیں۔ مگر جب زوال کے دور کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے یہ اخلاقی بنیادیں کمزور ہونے لگیں۔ ذاتی سطح پر جھوٹ، بددیانتی، عیش و عشرت اور نفس پرستی عام ہوئی، جبکہ اجتماعی سطح پر ظلم، ناانصافی، رشوت ستانی اور استحصال نے جڑیں پکڑ لیں۔

یہ اخلاقی بحران صرف افراد تک محدود نہ رہا بلکہ ریاستی ڈھانچے میں بھی سرایت کر گیا۔ عدالتیں انصاف فراہم کرنے سے قاصر ہو گئیں، حکمرانوں کی ذاتی خواہشات قومی مفاد پر غالب آ گئیں اور عوام میں قربانی و ایثار کی جگہ خود غرضی نے لے لی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب امت مسلمہ اپنے اصل امتیازی وصف، یعنی اعلیٰ اخلاقی معیار، سے محروم ہو گئی۔ ابن خلدون نے اپنی مقدمہ میں اس بحران کو یوں بیان کیا:

> "جب حکمران عیش و عشرت میں ڈوب جائیں اور رعایا اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جائے تو سلطنت کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں اور اس کا زوال قریب آ جاتا ہے۔"[29]

دین سے روحانی وابستگی میں کمی

اسلام کی اصل طاقت اس کی روحانی بنیاد ہے۔ ایمان، ذکر، عبادت اور خدا سے تعلق وہ ستون تھے جنہوں نے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو بے مثال قوت عطا کی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہ روحانی وابستگی کمزور ہوتی گئی۔ عبادات رسمی رہ گئیں اور دلوں سے ان کی روح رخصت ہو گئی۔ دین کو صرف ظاہری رسومات تک محدود کر دیا گیا جبکہ تزکیۂ نفس اور قربِ الٰہی کا پہلو نظرانداز کر دیا گیا۔ اس کمی کے نتیجے میں مسلمان قوتِ ایمان اور روحانی استحکام سے محروم ہو گئے۔ ان کے اندر وہ ولولہ باقی نہ رہا جو کبھی جہاد، علم اور اصلاحِ معاشرہ کا محرک بنتا تھا۔ روحانی بیداری کے بغیر نہ تو اخلاقی انحراف کو روکا جا سکتا تھا اور نہ ہی اجتماعی سطح پر اصلاح کی کوئی تحریک کامیاب ہو سکتی تھی۔ امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اس پستی کو یوں واضح کیا:

> "عبادت کا مقصود دل کی زندگی اور روح کی روشنی ہے، لیکن جب وہ محض عادت اور رسم بن جائے تو اس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔"[30]

مسلم معاشرت میں سیاسی و سماجی زوال

معاشرتی برائیاں (کرپشن، فحاشی، بددیانتی)

اسلامی معاشرت کی اصل بنیاد طہارت، صداقت، امانت اور عفت پر قائم تھی۔ ابتدائی مسلم معاشروں میں دیانت، عدل، عفت اور حیا ایسے اوصاف تھے جنہوں نے مسلمانوں کو دوسری اقوام کے لیے مثالی بنایا۔ لیکن زوال کے ادوار میں یہ اوصاف کمزور پڑنے لگے۔ سماج میں کرپشن، رشوت ستانی، اقرباء پروری اور لوٹ کھسوٹ عام ہو گئی۔ اسی طرح فحاشی، عیاشی اور بے حیائی نے معاشرتی ڈھانچے کو کھوکھلا کر دیا۔ بددیانتی اور وعدہ خلافی نے باہمی اعتماد کو ختم کر دیا اور سماجی رشتے کمزور ہونے لگے۔ یہ معاشرتی برائیاں صرف عوام میں نہیں بلکہ حکمران طبقے میں بھی جڑ پکڑ گئیں۔ عہدے بکتے تھے، انصاف کا ترازو دولت مندوں کے حق میں جھک جاتا، جبکہ کمزور طبقات ظلم و استحصال کا شکار ہوتے۔ جب معاشرتی اقدار کی جگہ برائیاں لے لیں تو امت کے زوال کو روکنے کی کوئی تدبیر باقی نہ رہی۔ ابن تیمیہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا:

> "اللہ کسی قوم کو ظلم اور بے حیائی کے ہوتے ہوئے بھی قائم رکھتا ہے اگر وہ عدل پر قائم رہے، لیکن جب عدل ختم ہو جائے تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔"[31]

---

[29] ابن خلدون، المقدمہ، ترجمہ: خلیل احمد خلیل (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2001ء)، ص 312

[30] امام غزالی، احیاء علوم الدین، ترجمہ: مفتی عابد حسین (لاہور: قدیمی کتب خانہ، 1985ء)، ج 1، ص 45

[31] ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی (ریاض: دار عالم الکتب، 1995ء)، ج 28، ص 146۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اسلامی اقدار کی فراموشی

اسلامی معاشرت کی سب سے بڑی طاقت قرآن وسنت کی روشنی میں قائم وہ اقدار تھیں جو عدل، مساوات، اخوت، عفت اور صداقت پر مبنی تھیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ اقدار محض دعووں اور زبانی جمع خرچ تک محدود ہو گئیں۔ عملاً مسلمانوں نے ان اصولوں سے روگردانی شروع کر دی۔ اسلامی معاشرت میں ہر فرد کو اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس ہونا چاہیے تھا، لیکن جب یہ تصور کمزور پڑا تو افراد اپنی ذاتی خواہشات کے غلام بن گئے۔ اخوت اور بھائی چارے کی جگہ طبقاتی تقسیم، مفادات کی سیاست اور قوم پرستی نے لے لی۔ اس کے نتیجے میں مسلم معاشرت اپنی وحدت، مساوات اور انصاف کی خصوصیات کھو بیٹھی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس حقیقت کو بیان کیا:

> "جب لوگ دین کے حقیقی مقاصد کو بھول جائیں اور صرف رسوم وظواہر پر اکتفا کریں تو ان کی اجتماعی زندگی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔"[32]

معاصر امت مسلمہ بحران اور امکانات

موجودہ مسلم دنیا کی سیاسی وسماجی حالت

آج کی مسلم دنیا سیاسی، سماجی اور تہذیبی لحاظ سے ایک کثیر الجہتی بحران کا شکار ہے۔ بیشتر مسلم ممالک استعماری طاقتوں کی براہِ راست غلامی سے تو آزاد ہو چکے ہیں، لیکن ان کے سیاسی وانتظامی ڈھانچے اب بھی نوآبادیاتی وراثت سے آزاد نہیں ہو سکے۔ جمہوریت، عدل وانصاف، اور عوامی فلاح وبہبود کے اصول اکثر محض نعرے تک محدود ہیں۔ حکمران طبقات اکثر بدعنوانی، اقرباپروری اور خود غرضی میں مبتلا ہیں جس کے نتیجے میں عوام کی اکثریت غربت، بے روزگاری اور عدمِ مساوات کے عذاب میں جکڑی ہوئی ہے۔

سماجی سطح پر بھی امت مسلمہ ایک انتشار اور تضاد کا شکار ہے۔ ایک طرف دین سے جذباتی وابستگی اور اسلام کے ساتھ نظریاتی وفاداری موجود ہے، تو دوسری طرف عملی زندگی میں دین کی حقیقی روح نظر نہیں آتی۔ یہ تضاد مسلم معاشروں کو ایک داخلی کشمکش میں مبتلا رکھتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے عالمِ اسلام کا سیاسی نظام میں لکھا:

> "مسلمانوں کے پاس سیاسی آزادی تو ہے، مگر فکری آزادی نہیں۔ وہ ابھی تک اس کشمکش میں ہیں کہ اپنی اصل روایت کی طرف پلٹیں یا مغرب کی تقلید میں ہی اپنی نجات تلاش کریں۔"[33]

مسلم اقوام میں بیداری کی تحریکیں

اس مجموعی بحران کے باوجود امید کی ایک کرن موجود ہے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں مسلم دنیا میں مختلف فکری واصلاحی تحریکیں ابھریں جنہوں نے امت کو اپنی اصل بنیادوں کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ ان تحریکوں نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ ان کی اصل طاقت قرآن وسنت کی رہنمائی، عدل ومساوات کے اصول اور اجتماعی شعور میں پوشیدہ ہے۔ اخوان المسلمون (مصر)، جماعت اسلامی (برصغیر)، ملی تحریک (ترکی) اور اسلامی تحریک مزاحمت (فلسطین) جیسی تنظیموں نے اس بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔ ان تحریکوں نے یہ شعور اجاگر کیا کہ مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کے بجائے اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک متوازن اور خود مختار تمدنی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ مولانا مودودی نے مسئلہ قومیت میں فرمایا:

> "اگر مسلمان اپنی اصل حقیقت کو پہچان لیں اور قرآن کو اپنے اجتماعی اور سیاسی نظام کی بنیاد بنا لیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں محکوم نہیں بنا سکتی۔"[34]

---

[32] شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، ترجمہ: غلام رسول سعیدی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 2005ء)، ج1، ص89۔

[33] محمد حمید اللہ، عالمِ اسلام کا سیاسی نظام (کراچی: مکتبہ معارف، 2000ء)، ص189

[34] سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلہ قومیت (لاہور: ترجمان القرآن، 1988ء)، ص74

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تعلیمی و فکری تنظیمات کی کوششیں

مسلم دنیا کے بحران سے نکلنے کا سب سے بڑا راستہ تعلیم اور فکری اصلاح میں پوشیدہ ہے۔ اسی وجہ سے گزشتہ چند دہائیوں میں مختلف مسلم ممالک میں تعلیمی ادارے، تحقیقی مراکز اور فکری تنظیمات قائم کی گئیں جن کا مقصد جدید علوم اور اسلامی اقدار کو یکجا کرنا تھا۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، الازہر یونیورسٹی قاہرہ، دارالسلام ریاض اور ان جیسے دیگر ادارے اس کوشش کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ان اداروں کا مقصد یہ ہے کہ جدید سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر و فلسفے کو بھی فروغ دیا جائے تاکہ ایک ایسی نسل تیار ہو جو مغرب کی نقالی کے بجائے اسلامی تہذیب کی بنیاد پر تخلیقی کردار ادا کر سکے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اسلام اور جدیدیت میں لکھا:

"اگر مسلم معاشرے جدید تعلیم اور اسلامی فکر میں ہم آہنگی پیدا نہ کر سکے تو ان کی ترقی کا خواب ہمیشہ ادھورا رہے گا۔"[35]

مستقبل کے امکانات اور اصلاحی لائحہ عمل

او آئی سی، اسلامی بینکنگ، اور تعلیمی اصلاحات

اسلامی تعاون تنظیم (OIC) امت مسلمہ کی سب سے بڑی بین الاقوامی نمائندہ جماعت ہے، جو 1969ء میں قائم ہوئی۔ اگرچہ یہ ادارہ سیاسی اور سماجی بحرانوں میں مؤثر کردار ادا کرنے میں اکثر ناکام رہا ہے، تاہم اس کے پلیٹ فارم سے مشترکہ تعلیمی، معاشی اور تہذیبی منصوبوں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ان منصوبوں کو فعال بنانے سے امت کے اتحاد اور باہمی تعاون کو مضبوط کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی بینکنگ اور مالیاتی نظام، سرمایہ داری پر مبنی عالمی معیشت کے متبادل کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ پاکستان، ملائیشیا، سعودی عرب اور دیگر ممالک میں اسلامی بینکاری کے ادارے قائم ہوئے ہیں جنہوں نے سود سے پاک مالیاتی نظام کو جزوی طور پر رائج کیا۔ یہ کوشش اس امر کا ثبوت ہے کہ اگر سنجیدہ منصوبہ بندی کی جائے تو اسلامی معیشت جدید دنیا کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ تعلیمی اصلاحات بھی مستقبل کی سمت متعین کرنے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ نصاب میں جدید سائنسی علوم، تحقیق اور ٹیکنالوجی کو اسلامی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک ایسی نسل تیار کی جاسکتی ہے جو امت کو فکری و عملی زوال سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کرے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا:

"اگر تعلیمی نصاب قرآن و سنت کی بنیاد پر تشکیل نہ پائے تو مسلمانوں کی آنے والی نسلیں مغرب کی نقالی سے کبھی آزاد نہ ہو سکیں گی۔"[36]

اسلامی دنیا میں رائج جمہوریت کا تجزیہ

مسلم دنیا میں جمہوریت کا تصور مغربی ماڈل کی نقل پر مبنی رہا ہے، جس کے نتیجے میں عوامی اقتدار اور شوریٰ کے اسلامی اصول پس منظر میں چلے گئے۔ بیشتر ممالک میں جمہوریت محض انتخابات اور نمائشی عمل تک محدود ہے جبکہ عدل، شفافیت اور احتساب کے اسلامی اصول نظرانداز کر دیے جاتے ہیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے جمہوریت صرف ایک سیاسی طریقہ کار نہیں بلکہ ایک اخلاقی و روحانی ذمہ داری بھی ہے، جو عدل، مساوات اور مشاورت پر مبنی ہو۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم دنیا اپنے سیاسی نظام میں اسلامی اصولوں کی بنیاد پر جمہوریت کو فروغ دے۔ علامہ اقبال نے کہا:

"جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے۔"[37]

یہ تنقید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مغربی جمہوریت محض عددی اکثریت پر مبنی ہے جبکہ اسلامی جمہوریت عدل اور اخلاقی اصولوں کی حامل ہے۔

نوجوانوں اور خواتین کے کردار کی تشکیل

امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار نوجوان نسل اور خواتین کے فعال کردار پر ہے۔ نوجوانوں کے اندر تحقیق، تخلیقی سوچ اور قیادت کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ امت کے مسائل کے حل کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ اسی طرح خواتین کو بھی معاشرتی اور تعلیمی میدان میں آگے لانے کی ضرورت

---

35 فضل الرحمٰن، اسلام اور جدیدیت (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1999ء)، ص 132

36 اسرار احمد، اسلام اور جدید چیلنج (لاہور: ادارہ منشورات، 1995ء)، ص 211۔

37 محمد اقبال، کلیاتِ اقبال (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1990ء)، ص 314

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

ہے۔اسلام نے عورت کو عزت، وقار اور مساوات کا درجہ دیا ہے، لہٰذا انہیں صرف گھریلو ذمہ داریوں تک محدود کرنے کے بجائے علمی و عملی میدان میں شراکت داری کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے۔

مولانا شبلی نعمانی نے کہا:

"قوموں کی اصلاح عورتوں کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ عورتیں ہی نئی نسل کے اولین اساتذہ ہیں۔"[38]

نتائج

1. امت مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجوہات داخلی اور خارجی دونوں ہیں، جن میں سیاسی انتشار، علمی جمود، اور اخلاقی پستی سب سے نمایاں ہیں۔
2. مغربی تہذیب و فلسفہ نے مسلم معاشروں پر گہرا اثر ڈالا، جس کے نتیجے میں فکری کمزوری اور نقالی کا رجحان بڑھ گیا۔
3. دینی و مذہبی اداروں کے زوال نے امت کو قیادت اور رہنمائی سے محروم کر دیا۔
4. روحانی وابستگی میں کمی اور مادہ پرستی کے فروغ نے معاشرتی اقدار کو شدید نقصان پہنچایا۔
5. موجودہ دور میں او آئی سی، اسلامی بینکنگ اور تعلیمی اصلاحات جیسے اقدامات مثبت پہلو ہیں مگر عملی طور پر ابھی بہت کمزور ہیں۔
6. مسلم دنیا کی جمہوریت مغربی ماڈل کی پیروی پر زیادہ ہے، جبکہ اسلامی اصولوں پر مبنی نظام شوریٰ کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔
7. نوجوان اور خواتین اگر تعلیمی و فکری میدان میں مثبت کردار ادا کریں تو امت کے احیاء کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

سفارشات

1. سیاسی استحکام اور وحدت: مسلم ممالک کو باہمی اتحاد اور مشترکہ پالیسی سازی کے ذریعے عالمی سطح پر ایک مؤثر قوت بننا چاہیے۔
2. علمی احیاء: جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو اسلامی فکر کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نصابِ تعلیم میں انقلابی اصلاحات کی جائیں۔
3. اسلامی معیشت کا فروغ: اسلامی بینکاری اور مالیاتی نظام کو عالمی سطح پر وسعت دے کر سودی نظام کا متبادل فراہم کیا جائے۔
4. جمہوری اصلاحات: جمہوریت کو اسلامی اصولوں (عدل، شوریٰ، احتساب) کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔
5. اخلاقی و روحانی تربیت: معاشرتی بگاڑ، کرپشن اور فحاشی کے سدباب کے لیے اخلاقی و دینی تربیت کو لازمی بنایا جائے۔
6. مصلحین کی فکر کا احیاء: سر سید احمد خان، علامہ اقبال، مولانا مودودی اور دیگر مصلحین کے اصلاحی تصورات کو آج کے حالات کے مطابق زندہ کیا جائے۔
7. نوجوانوں کی شمولیت: تعلیمی اداروں اور تحقیقی مراکز کے ذریعے نوجوان نسل کو قیادت اور تحقیق میں کردار دینے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔
8. خواتین کی شراکت: خواتین کو تعلیمی، سائنسی اور سماجی میدان میں حصہ دار بنایا جائے تاکہ وہ نئی نسل کی تربیت کے ساتھ ساتھ معاشرتی ترقی میں کردار ادا کر سکیں۔
9. بین الاقوامی روابط: امت مسلمہ کو مغرب کے ساتھ فکری مکالمہ کرتے ہوئے اپنی تہذیبی و روحانی شناخت کو قائم رکھنا چاہیے۔
10. اسلامی اقدار کی ترویج: میڈیا، نصاب اور تعلیمی اداروں کے ذریعے اسلامی اخلاقیات اور روحانی اقدار کو دوبارہ معاشرے کا حصہ بنایا جائے۔

خلاصہ

مسلم اقتدار کے زوال کی تاریخ اور امتِ مسلمہ کی اخلاقی و فکری پستی ایک ایسا موضوع ہے جو صرف تاریخی واقعات کا بیان نہیں بلکہ تہذیبی و فکری تناظر میں گہری تحقیق کا متقاضی ہے۔ تاریخِ اسلام کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ ابتدائی صدیوں میں مسلم معاشرہ نہ صرف سیاسی و عسکری لحاظ سے مضبوط تھا بلکہ علمی، فکری اور اخلاقی میدان میں بھی دنیا کی رہنمائی کر رہا تھا۔ قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم خلافتِ راشدہ کا دور عدل، شوریٰ اور فکری اجتہاد کی علامت تھا، جس نے مسلمانوں کو ایک متحد اور فعال امت بنایا۔ تاہم، رفتہ رفتہ سیاسی انتشار، ملوکیت کے غلبے، فرقہ وارانہ اختلافات، اور داخلی بغاوتوں نے مسلم اقتدار کی بنیادوں کو کمزور کیا۔ ساتھ ہی اخلاقی انحطاط اور فکری جمود نے علمی و تہذیبی ترقی کو روک دیا۔ جہاں ایک وقت میں مسلمان فلسفہ، سائنس، طب، ریاضیات اور عمرانیات میں دنیا کی رہنمائی کر رہے تھے، وہاں بعد کی صدیوں میں انہوں نے تحقیق و اجتہاد کے بجائے تقلید اور جمود کو اختیار کیا۔ نتیجتاً مغربی اقوام نے سائنسی و فکری میدان میں برتری حاصل کی اور امتِ مسلمہ عالمی سطح پر

[38] شبلی نعمانی، مقالات شبلی (اعظم گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، 1962ء)، ج2، ص87

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

سیاسی و تہذیبی پستی کا شکار ہو گئی۔اس زوال کے اسباب میں داخلی و خارجی عوامل شامل تھے: داخلی طور پر اخلاقی کمزوری، عیش و عشرت، تعلیم و تحقیق سے دوری اور علماء و حکمرانوں کے درمیان کشمکش جبکہ خارجی طور پر صلیبی جنگیں، منگول یلغار، اور بعد ازاں استعماری طاقتوں کا تسلط۔اس کے باوجود تاریخ گواہ ہے کہ امتِ مسلمہ جب بھی قرآن وسنت، علم و تحقیق، اور اخلاقی احیاء کی طرف لوٹی، تو اس نے دوبارہ اپنی عظمت قائم کی۔ یہ تجزیاتی مطالعہ اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ مسلم اقتدار کے زوال کی اصل جڑ صرف عسکری یا سیاسی کمزوری نہ تھی بلکہ اس کا تعلق زیادہ تر اخلاقی و فکری بحران سے تھا۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کی موجودہ بقا اور عروج کا انحصار بھی اسی امر پر ہے کہ وہ اپنے فکری ورثے کو زندہ کرے، علمی تحقیق کو فروغ دے اور اخلاقی و روحانی قدروں کو اپنی اجتماعی زندگی کا محور بنائے۔

مصادر و مراجع

1. الہندی، علاء الدین علی بن حسام الدین۔ کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال .بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1985۔
2. امام سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر۔ تاریخ الخلفاء .بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004۔
3. ابو الفضل، ابو الفضل بن مبارک۔ آئینِ اکبری .لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 2005۔
4. ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد۔ المقدمہ .قاہرہ: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، 1998۔
5. الکندی، یعقوب بن اسحاق۔ رسائل الکندی الفلسفیۃ .قاہرہ: دار الفکر العربی، 1950۔
6. المقدسی، شمس الدین۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم .لیڈن: بریل، 1906۔
7. ابن شداد، بہاء الدین یوسف۔ النوادر السلطانیۃ والمحاسن الیوسفیۃ .قاہرہ: المکتبۃ الحلبیۃ، 1896۔
8. مسعودی، علی بن حسین۔ مروج الذہب .بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1988۔
9. مقریزی، احمد بن علی۔ المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار .قاہرہ: دار الکتب المصریۃ، 1998۔
10. ابن الاثیر، علی بن محمد۔ الکامل فی التاریخ .بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1995۔
11. شبلی نعمانی، محمد۔ المامون .اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 1962۔
12. سید جمال الدین افغانی۔ الرد علی الدھریین .قاہرہ: المکتبۃ الازہریہ، 1900۔
13. جرجی زیدان۔ تاریخ التمدن الاسلامی .بیروت: دار الفکر، 1967۔
14. اکبر الٰہ آبادی۔ کلیات اکبر .لاہور: مجلس ترقی ادب، 1962۔
15. ابو الحسن علی ندوی۔ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین .دمشق: دار القلم، 1979۔
16. شاہ ولی اللہ دہلوی۔ حجۃ اللہ البالغہ .قاہرہ: المکتبہ الازہریہ، 1936۔
17. محمد اقبال۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ .لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1958۔
18. سید جمال الدین افغانی۔ العروۃ الوثقی .قاہرہ: المطبعۃ الازہریہ، 1884۔
19. امام غزالی۔ احیاء علوم الدین .ترجمہ: مفتی عابد حسین۔ لاہور: قدیمی کتب خانہ، 1985۔
20. ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم۔ مجموع الفتاوی .ریاض: دار عالم الکتب، 1995۔
21. محمد حمید اللہ۔ عالمِ اسلام کا سیاسی نظام .کراچی: مکتبہ معارف، 2000۔
22. سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ مسئلہ قومیت .لاہور: ترجمان القرآن، 1988۔
23. فضل الرحمٰن۔ اسلام اور جدیدیت .لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، 1999۔
24. اسرار احمد۔ اسلام اور جدید چیلنج .لاہور: ادارہ منشورات، 1995۔
25. محمد اقبال۔ کلیاتِ اقبال .لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1990۔
26. شبلی نعمانی، محمد۔ مقالات شبلی .اعظم گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 1962۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

Bibliography

1. al-Hindi, ʿAlāʾ al-Dīn ʿAlī ibn Ḥusām al-Dīn. *K*anz al-ʿUmmāl fī Sunan al-Aqwāl wa-al-Afʿāl. Beirut: Muʾassasat al-Risālah, 1985.
2. al-Suyūṭī, Jalāl al-Dīn ʿAbd al-Raḥmān ibn Abī Bakr. Tārīkh al-Khulafāʾ. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2004.
3. Abū al-Faḍl, Abū al-Faḍl ibn Mubārak. Āʾīn-i Akbarī. Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2005.
4. Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad. *Al-Muqaddimah*. Cairo: al-Maktabah al-Tijārīyah al-Kubrā, 1930.
5. al-Kindī, Yaʿqūb ibn Isḥāq. Rasāʾil al-Kindī al-Falsafiyyah. Cairo: Dār al-Fikr al-ʿArabī, 1950.
6. al-Muqaddasī, Shams al-Dīn. Aḥsan al-Taqāsīm fī Maʿrifat al-Aqālīm. Leiden: Brill, 1906.
7. Ibn Shaddād, Bahāʾ al-Dīn Yūsuf. al-Nawādir al-Sulṭāniyyah wa-al-Maḥāsin al-Yūsufiyyah. Cairo: al-Maktabah al-Ḥalabiyyah, 1896.
8. Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad. Al-Muqaddimah. Cairo: Maktabat al-Khānjī, 1967.
9. al-Masʿūdī, ʿAlī ibn al-Ḥusayn. Murūj al-Dhahab. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1989.
10. Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad. Al-Muqaddimah. Beirut: Dār al-Fikr, 2004.
11. al-Masʿūdī, ʿAlī ibn al-Ḥusayn. Murūj al-Dhahab. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1988.
12. Sarton, George. Introduction to the History of Science. Baltimore: Carnegie Institution, 1927.
13. Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad. Al-Muqaddimah. Beirut: Dār al-Fikr, 2005.
14. al-Maqrīzī, Aḥmad ibn ʿAlī. al-Mawāʿiẓ wa-al-Iʿtibār bi-Dhikr al-Khiṭaṭ wa-al-Āthār. Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 1998.
15. Ibn al-Athīr, ʿAlī ibn Muḥammad. al-Kāmil fī al-Tārīkh. Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1995.
16. Nuʿmānī, Shiblī. al-Maʾmūn. Azamgarh: Dār al-Muṣannifīn Shiblī Academy, 1962.
17. al-Afghānī, Sayyid Jamāl al-Dīn. al-Radd ʿalā al-Dahriyyīn. Cairo: al-Maktabah al-Azharīyah, 1900.
18. Zaydān, Jurjī. Tārīkh al-Tamaddun al-Islāmī. Beirut: Dār al-Fikr, 1967.
19. Akbar Allāhābādī. Kulliyāt-e-Akbar. Lahore: Majlis Taraqqī Adab, 1962.
20. Nadwī, Abū al-Ḥasan ʿAlī. Mādhā Khasira al-ʿĀlam bi-Inḥiṭāṭ al-Muslimīn. Damascus: Dār al-Qalam, 1979..
21. Shāh Walī Allāh al-Dihlawī. Ḥujjat Allāh al-Bālighah. Cairo: al-Maktabah al-Azharīyah, 1936.
22. Iqbal, Muḥammad. The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Lahore: Shaikh Ghulām ʿAlī and Sons, 1958.
23. al-Afghānī, Sayyid Jamāl al-Dīn. al-ʿUrwah al-Wuthqā. Cairo: al-Maṭbaʿah al-Azharīyah, 1884.
24. al-Ghazālī, Abū Ḥāmid. Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn. Translated by Mufti ʿĀbid Ḥusayn. Lahore: Qadīmī Kutub Khānah, 1985.
25. Ibn Taymiyyah, Aḥmad ibn ʿAbd al-Ḥalīm. Majmūʿ al-Fatāwā. Riyadh: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1995.